یہ شانِ رسالت ﷺ ہے

ذرا ہوش سے بول

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراطِ مستقیم پبلیکیشنز
6 مرکز الاولیاء ـــ دربار مارکیٹ لاہور
042-7115771-0333-8193630

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

احمدك اللهم يا مجيب كل سائل والصلوٰة والسلام علیٰ من هو افضل الوسائل

وعلیٰ آلهٖ واصحابهٖ ذوی الفضائل اما بعد فاعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم يا ايها الذين آمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا

واسمعوا وللكافرين عذاب مهين ۝ صدق اللّٰه العظيم

ان اللّٰه وملآئكته يصلون على النبى يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما ۝

الصلوٰة والسلام عليك يا رسول اللّٰه وعلیٰ آلك واصحابك يا حبيب اللّٰه

مولای صل وسلم دائما ابدا علیٰ حبيبك خير الخلق كلهم

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور پرنور شافع یوم النشور احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد۔

وارثان منبر ومحراب ارباب فکرودانش۔

نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی توفیق سے اِدارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام ماہِ رمضان المبارک کے پرکیف لمحات میں ہم سب کو عظیم الشان پندرہویں سالانہ فہم دین کورس میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

''یہ شانِ رسالت ہے ذرا ہوش سے بول''

ایمان بالرسالت عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے متعدد موضوعات پہلے اللہ کے فضل سے دور دور تک پہنچ چکے ہیں جن میں بطور خاص 'منصب نبوت اور عقیدہ مومن' 'شان رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق' اور 'شان رسالت کی یکتائی' آج اسی سلسلہ کا یہ چوتھا موضوع ہے کہ 'یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول'۔

ایمان بالرسالت کی اہمیت کے پیش نظر جن حالات سے اُمتِ مسلمہ گزر رہی ہے اور باطن پرستوں کی طرف سے جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخیوں کا سلسلہ خاکوں کی شکل میں معاذ اللہ جاری رکھا جا رہا ہے یہ ایک بہت بڑا امتحان ہے اس تناظر میں بالخصوص اسلام کے اندرونی محاذ پر شان رسالت سے متعلق کچھ لوگوں کے گرے ہوئے انداز کی وجہ سے بھی آج امت مسلمہ کو شرمساری بھی ہے اور پریشانی بھی ہے۔ تحذیر الناس، حفظ الایمان، تقویۃ الایمان وغیرہ ایسی کتابوں میں جو جسارتیں تھیں وہ ایک بہت بڑا المیہ ہیں اس پر مستزاد کچھ موجودہ لٹریچر ہے، گذشتہ سال گجرات میں ایسی حرکت کی گئی' ابھی جہلم میں ایک شخص نے ایسی کتاب لکھی' شیخوپورہ میں ایسا واقعہ پیش آیا' گوجرہ فیصل آباد کے اندر بھی ایک الم ناک واقعہ رونما ہوا۔ تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ ماحول میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو یوں اُجاگر کیا جائے کہ اس مسئلے کی جو نزاکت ہے اُس کو سامنے رکھتے ہوئے ہر انسان جب گفتگو کر رہا ہو تو سوچ کے، سمجھ کے اور شان رسالت کا جو تقدس اور اس کی جو رفعت ہے اُس کو پیش نظر رکھتے ہوئے گفتگو کرے، گفتگو کا انداز ایسا نہ ہو کہ جیسے بڑے بھائی کے بارے میں بات کی جارہی ہو یا گاؤں کے چودھری کے بارے میں بات کی جارہی ہو۔ بلکہ گفتگو سے پہلے انسان کے حواس پوری طرح بیدار رہوں اور اُس پر رُعب طاری ہو کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رسالت کے متعلق گفتگو کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر اس بارے میں ہدایت فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یا ایہا الذین آمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکافرین عذاب مہین (سورۂ بقرہ:۱۰۴)

اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور تم کہو کہ اے محبوب ہم پہ نظر رکھیں اور تم پہلے ہی غور سے سنو اور کفار کیلئے دردناک عذاب ہے۔

قرآن مجید کا یہ مقام بطور خاص قیامت تک کے لوگوں کو یہ سمجھا رہا ہے 'یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول'۔

لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا تم راعِنَا نہ کہو اور تم اُنظُرنَا کہو۔

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم پہ نظر کرم فرماؤ۔

شانِ نزول

پہلی تفسیر...... اس آیت کا شانِ نزول اور اس کی پہلی تفسیر یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رہنمائی حاصل کرتے تھے اور وہ کہتے:

راعنا یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہماری رعایت رکھیں۔

یعنی آپ قرآن مجید کی آیات پڑھ رہے ہیں تو ہمیں بھی آپ ساتھ لے کر چلیں تاکہ ہم لکھ لیں، سن لیں اور یاد کرلیں۔ یہ اُن کی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست ہوتی تھی۔ مگر دوسری طرف عبرانی زبان میں اسی لفظ کو نازیبا الفاظ کے زُمرے میں شمار کیا جاتا اور گالی کے طور پر استعمال ہوتا۔ تو جب صحابہ کرام علیہم الرضوان عربی کے لحاظ سے اس کا استعمال کرتے تھے اور صحیح معنی میں کرتے تھے۔ لیکن یہود کو موقع مل گیا۔ انہوں نے اپنا بغض اسی لفظ کی آڑ میں ظاہر کرنا شروع کردیا تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام پر بھی اس لفظ کا بولنا حرام کردیا اور ارشاد فرمایا: لا تقولوا راعنا تم راعنا نہ کہو۔ اگرچہ تم تو اچھی نیت سے کہتے ہو لیکن دوسرے لوگ اس لفظ سے بری سوچ کی گنجائش پیدا کررہے ہیں۔ تو جب انہیں اس سے گنجائش ملتی ہے تو تمہارے لئے جائز نہیں۔ تم یہ لفظ بولنا بند کردو۔

چونکہ ناموس رسالت کا معاملہ ایسا ہے کہ اگر کسی لفظ کے دو معنی ہوں ایک معنی دُرست ہو اور دوسرا معنی شانِ رسالت کے لائق نہ ہو تو شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ اُس لفظ کا استعمال متروک ہوجائے اور اُس کو چھوڑ دیا جائے تاکہ اس لفظ کی آڑ میں کوئی گستاخ مذموم ارادوں کو پورا نہ کرسکے۔

دوسری تفسیر...... صحابہ کرام علیہم الرضوان رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رعایت کے لحاظ سے راعنا کہتے تھے لیکن یہود نے اس کو کھینچ کے پڑھنا شروع کردیا کہ راعینا یعنی راعی چرواہے کو کہتے ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کہتے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راعنا آپ ہمارا لحاظ رکھئے ہماری رعایت فرمایئے وہ یہ درخواست کرتے تھے لیکن یہود (معاذ اللہ) راعینا کہہ کے اپنی طرف سے بغض اور گندی سوچ کا اظہار کرتے تھے۔ راعی غَنَمِنَا ہماری بکریوں کو چرانے والا' تو معاذ اللہ جب یہود نے راعنا کہنا شروع کردیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کو اور قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ اس لفظ کو بری سوچ والے لوگ استعمال کررہے ہیں۔ تو تم اس کا استعمال ہی ترک کردو تاکہ کسی طرح اس کو بول کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا موقع نہ مل سکے۔

تیسری تفسیر...... راعنا کو اگر باب مفاعلہ سے مشتق بنائیں تو پھر اس میں جانبین ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر لفظ مصافحہ ہے تو مصافحہ تب بنتا ہے جب دو بندے آپس میں ہاتھ ملاتے ہیں۔ ایک آدمی کے ہاتھ کے عمل کو مصافحہ نہیں کہا جاسکتا۔ تو جہاں بھی باب مفاعلہ ہوتا ہے وہاں جانبین کا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ جانبین نہیں ہوں گے تو باب مفاعلہ نہیں بنے گا۔ تو اب راعنا میں باب مفاعلہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں جانبین ہیں اور پھر اُن کے آپس میں مساوات سمجھی جارہی تھی۔ مطلب کیا بنا کہ اے محبوب آپ ہمارا لحاظ کرو اور ہم آپ کا لحاظ کرتے ہیں۔ یعنی اس لفظ سے یہ معنی نکل سکتا تھا۔ اگرچہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی نیت نہیں تھی لیکن اس میں گنجائش یہ بن رہی تھی اور راعنا باب مفاعلہ سے ہونے کی وجہ سے مساوات کا پہلو نکل رہا تھا کہ آقا اور غلام دونوں برابر ہو رہے ہیں۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انبیاء میں سب سے اونچی شان عطا فرمائی ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ اس مساوات کی نفی کیلئے جو ایک نبی اور اُمتی کے درمیان بن رہی تھی، راعنا کہنا ناجائز قرار دے دیا تاکہ کہیں ایسا تصور بھی پیدا نہ ہو کہ اُمتی یہ کہے کہ میں نبی جیسا ہوں اور نبی میرے جیسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سوچ کو بند کرنے کیلئے راعنا کا استعمال بھی ناجائز فرمادیا۔

چوتھی تفسیر...... جس وقت ایک شخص کسی سے کوئی بات کرنا چاہے تو اُس کے لحاظ سے ایک آرڈر ہے اور ایک التماس ہے۔ جبکہ آرڈر میں اور التماس میں فرق ہے۔ اگرچہ لفظ ایک جیسے ہوتے ہیں۔

ایک شخص یہ کہتا ہے کہ آپ میرا یہ کام کردیں۔ یہ کسی بڑے سے وہ اپنی اپیل کر رہا ہوتا ہے دوسرا وہ اپنے نوکر سے کہتا ہے کہ تم یہ کام کردو تو وہ بطور آرڈر کر رہا ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ اپیل اور ہوتی ہے اور آرڈر اور ہوتا ہے۔

تو راعنا میں ایک پہلو یہ ہے کہ اس سے آرڈر والا معنی نکل رہا ہے کہ راعنا ایک اُمتی بولے اور اس سے اخذ یہ ہو کہ وہ چھوٹا ہو کے بڑی ذات کو حکم دے رہا ہے۔ تو اس صیغہ کے لحاظ سے وہم پیدا ہو رہا تھا اگرچہ بولنے والے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی یہ نیت نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے منصبِ نبوت کا ادب سکھانے کیلئے اور شانِ رسالت کے متعلق گفتگو کے آداب بتانے کیلئے اُن پر راعنا کا بولنا ناجائز قرار دیدیا کہ اس لفظ کو ہزار بار اچھی نیت سے بولو مگر چونکہ اس میں وہم پیدا ہو رہا ہے اس واسطے قیامت تک کے مسلمانوں پر اس کا بولنا حرام قرار دے دیا گیا ہے۔

پانچویں تفسیر...... راعنا کا معنی ہے قولاً راعنا (تفسیر رازی ۲/۴۴۳) کہ رعونت والی بات نہ کرو یعنی جس بات میں تکبر ہو۔ اللہ کے پیغمبر سے کوئی اکڑ کر نہ بولے، کوئی رعونت سے نہ بولے، اس انداز سے نہ بولے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ عاجزی کے سوا بول رہا ہے۔ **لا تقولوا راعنا** میرے محبوب علیہ اسلام سے گفتگو کرتے وقت نرم اور عاجزی کے انداز میں گفتگو کرو اور کوئی شخص تکبر کے انداز میں گفتگو نہ کرے۔

یہ قرآن مجید کی تعلیمات کا اثر ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہوشمند انداز

جس وقت حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے سفیر بن کے آئے تھے اور حدیبیہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کو بیٹھے دیکھا تھا تو جن پانچ باتوں سے وہ زیادہ متاثر ہوئے تھے اُن میں سے ایک بات یہ بیان کی۔

اذا تکلم خفضوا اصواتھم (بخاری شریف باب الشروط فی الجہاد، حدیث نمبر ۲۵۲۹)

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گفتگو کرتے ہیں تو صحابہ بولتے وقت یہ پابندی ضرور کرتے کہ ہماری آواز نبی علیہ السلام کی آواز کے برابر نہ ہونے پائے۔ ہماری آواز آپ کی آواز سے پست رہے۔ تو یہ آداب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہیں قرآن نے سکھائے ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پھر اُن پر عمل کر کے دِکھایا ہے۔

یہ نصاب صرف صحابہ کرام کا نہیں تھا بلکہ یہ تابعین کا بھی نصاب تھا اور تبع تابعین کا بھی نصاب تھا اور بعد کے لوگوں کا بھی نصاب تھا اور آج کے مسلمانوں کا بھی نصاب ہے اور یہ قیامت تک کے ایمان والوں کا نصاب ہے اس واسطے اسی آیت کو ہم موضوع بناتے ہوئے آج اپنی گفتگو کو آگے بڑھا رہے ہیں کہ آج ایک انسان جہاں بیٹھ کر کوئی شانِ رسالت کے متعلق وضاحت کر رہا ہے کوئی بات اور تبصرہ کر رہا ہے کسی طرح وہ کوئی کلام کر رہا ہے تو اُسے سوچنا چاہیے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

میں جس دربار کے بارے میں بات کر رہا ہوں وہ عرش سے نازک تر دربار ہے اور وہاں پر تو لوگ اپنی سانس پر بھی پابندی لگاتے ہیں کہ کہیں سانس بھی بلند طریقے سے نہ چلنے پائے۔

یہ قرآن مجید کی اس آیت کی دعوت ہے کہ 'یہ شانِ رسالت ہے ذرا ہوش سے بول'۔ اس سلسلہ میں ہوش کے چند ضابطے ہیں۔

ہر حال میں بڑائی کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہو

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے سوال کیا: انت اکبرا والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اے حضرت عباس مجھے بتاؤ آپ بڑے ہیں یا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بڑے ہیں؟ پوچھنے والے کا مطلب تھا کہ عمر کے لحاظ سے کون بڑا ہے۔ یہ عموماً جملہ بولا جاتا ہے۔ کوئی بندہ اپنے والد کے دوست سے پوچھ لیتا ہے کہ آپ بڑے ہیں یا میرے ابا جی بڑے ہیں اور اپنے چچا کے ہم عصر سے گفتگو کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ آپ بڑے ہیں یا میرے چچا بڑے ہیں۔ تو اس انداز سے کسی نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ پوچھ لیا 'آپ بڑے ہیں یا نبی علیہ السلام بڑے ہیں'۔

اب غور کرنا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب کیا دیا، فرمانے لگے۔

'یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول'

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

هو اکبر وانا ولدت قبله (مختصر تاریخ دمشق: ۳۳۶/۱۱ - سیر اعلام النبلاء: ۴۰۰/۳)

بڑے تو سرکار علیہ السلام ہی ہیں لیکن ولادت میری پہلے ہوئی ہے۔ یعنی وہ لفظ جو عمومی طور پر بولا جاتا ہے اور یہ کہا جاسکتا تھا کہ میں آپ سے دو سال بڑا ہوں یا میں اتنے سال بڑا ہوں یہ لفظ بولا جاسکتا تھا مگر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ لفظ استعمال نہیں کیا کہنے لگے کہ بڑے تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں میں صرف پیدا پہلے ہوگیا تھا۔ میری ولادت پہلے ہوئی ہے میری عمر سرکار سے زیادہ ہے مگر اقوی کا لفظ جب بولنا ہے تو اس میں یا کہنے کی ضرورت نہیں ہے میرے محبوب ہر حال میں اکبر ہیں، وہ مجھ سے بڑے ہیں۔

آپ دیکھیں کہ یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا انداز ہے یہ سوچنا پڑے گا آج تھڑے پہ بیٹھے ہوئے مسلمان کو تو دیکھنا پڑے گا جو مسلمان اور اُمتی ہونے کا دعویٰ بھی کرتا اور ساتھ آپ کے منصب کے لحاظ سے یوں باتیں کرتا ہے کہ جیسے بڑے بھائی اور عام انسان کے بارے میں بول رہا ہو۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات وہ ذات کہ جن سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ یہ تو میرے باپ کی مثل ہیں۔

عم الرجل صنو ابیه بندے کا چچا اُس کا باپ ہی ہوتا ہے۔ (مسلم شریف باب فی تقدیم الزکاۃ حدیث نمبر ۱۶۳۴)

وہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بولیں تو باپ کہہ کے بولیں۔

ردوا الی ابی عباس تم میرے ابا جی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کے لے آؤ۔

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتے وقت اُن کو باپ کہہ کے بلائیں مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جنہیں سرکار اپنا باپ کہیں۔ اس کے باوجود کہ مجھے سرکار باپ کہہ رہے ہیں۔ مگر میں منصبِ نبوت کا ادب تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ جب عمر میں مَیں بڑا بھی ہوں لیکن میں اپنے آپ کو بڑا نہیں کہوں گا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ انا ولدت قبلہ میں پیدا سرکار سے پہلے ہوگیا ہوں۔ لیکن ھو اکبر منی جہاں تک بڑے ہونے کا معاملہ ہے تو وہ میرے آقا و مولا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے براہِ راست دین حاصل کیا قرآن مجید کے مخاطب ہیں اور جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فیض پایا اور ان کی اتنی عظیم شان ہے۔

ایک طرف اونچے قد والے عظیم المرتبت انسان اور دوسری طرف ہماری طرح کے بالکل عام قسم کے لوگ ان کی گفتگو میں یہ ڈیفرنس کیوں آگیا ہے۔ ادھر وہ اتنی عظمت سے بات کرتے ہیں۔ ادھر یہ لوگ بالکل سطحی سا انسان بنا کے پیش کرتے ہیں۔

یہ درمیان میں فرق عقیدے کی عظمت کا فرق پڑ گیا ہے اور صحابہ کرام کے اذہان میں جو شانِ رسالت کا تقدس تھا اُس سے ان لوگوں کی سوچ کا مقام بالکل دُور ہوگیا ہے۔

لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج بھی ہم اہلسنّت و جماعت کو مقامِ نبوت کے متعلق بولنے میں وہی صحابہ والا ادب عطا فرمایا ہے۔

مثال میں بھی ادب

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کن جانوروں کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ تو انہوں نے وہ جانور بتانے کیلئے اپنی چار اُنگلیوں سے اشارہ کیا کہ سرکار علیہ السلام نے اس طرح چار انگلیوں سے اشارہ کر کے بتایا کہ ان چار جانوروں کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ انداز تھا کہ بیان کرتے وقت حدیث کو مسلسل بنانے کیلئے جیسے سرکار نے اشارہ فرمایا ہوتا ویسے ہی اشارہ کرتے تھے۔ جیسے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکراتے ہوتے ویسے ہی مسکراتے کہ ہم نے تو سرکار کا چہرہ دیکھا ہے لیکن بعد والے ہم سے لفظ بھی پڑھتے رہیں اور سرکار کی کیفیت کو معلوم بھی کرتے رہیں کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کا اُس وقت کیا انداز تھا جب آپ یہ گفتگو فرما رہے تھے۔

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان جانوروں کو بیان کیا تھا جن کی قربانی جائز نہیں ہے تو آپ نے ہاتھ کی اُنگلیوں سے اشارہ کیا تھا کہ چار جانور ایسے ہیں جن کی قربانی جائز نہیں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب اُن جانوروں کے بارے میں پوچھا جن کی قربانی جائز نہیں ہے تو حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع عام میں کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے: فقال فینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے تھے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چار انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ ان چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھ کی چار انگلیوں کی طرف اشارہ کیا۔ جب آپ یوں کر چکے تو دل میں خیال آیا کہ میں نے نبی علیہ السلام کی طرح اپنا ہاتھ قرار دے دیا کہ محبوب علیہ السلام نے یوں فرمایا تھا اور میں بھی یوں ہی کر رہا ہوں۔ سرکار نے یوں ہاتھ کیا تھا، کہاں میرے آقا کا ہاتھ اور کہاں میرا ہاتھ۔ آج چھوٹے چھوٹے لوگ کہتے ہیں کہ اُن کے بھی دو ہاتھ ہیں اور ہمارے بھی دو ہاتھ ہیں۔ ہاتھوں کی مشابہت کو زبان سے بیان کرتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ یہ ہاتھ نبی علیہ السلام کے ہاتھ کی طرح ہے۔ بات کرتے وقت جب ہاتھ بلند کیا اور انگلیاں یوں کھولیں جیسے محبوب علیہ السلام نے چار کو بیان کرنے کیلئے کھولیں تھیں لیکن فوراً اپنی گفتگو کو بدل دیا وضاحت کی ہے۔

’کیا عشق ہے صحابہ کرام کا اور کیا منصبِ نبوت کی پہچان ہے‘

یوں ہاتھ کر کے ارشاد فرمانے لگے، اے دیکھنے والو! ان انگلیوں کو دیکھ کے یہ نہ سمجھنا کہ سرکار علیہ السلام کی اُنگلیاں ایسی ہیں نہیں، میری انگلیاں سرکار کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں اور ساتھ ہی یہ فرمایا، میری انگلیوں کے پورے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی انگلیوں کے پوروں سے چھوٹے ہیں۔ (ابوداؤد شریف باب ما یکرہ من الضحایا حدیث نمبر ۲۶۶، عون المعبود، ۷/ ۲۵۳)

یہ کہنا کیوں ضروری سمجھا کہ میں سمجھانے کیلئے مثال دے رہا ہوں حدیث کو مسلسل بیان کرنے کیلئے اپنا ہاتھ دِکھا کر ان کو سرکار کے ہاتھ کا تصور دینا چاہتا ہوں، کہیں کوئی یہ نہ سوچ بیٹھے کہ میرا ہاتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی طرح ہے یا میں آپ کی طرح بیان کرنا چاہتا ہوں فرمایا نہیں نہیں۔

کہاں میری مجال اور کہاں میرے ہاتھ کی مجال صرف میں نے تمہارے سامنے یوں کر دیا ہے کہ سرکار نے اپنا ہاتھ یوں کیا تھا۔ جہاں ہاتھوں کا تقابل ہے تو نہ میرے ہاتھ سرکار کے ہاتھوں جیسے ہیں اور نہ میری انگلیاں سرکار کی انگلیوں جیسی ہیں اور نہ میرے پورے اُن کے پوروں جیسے ہیں..... 'یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول'۔

آج لوگ اپنی ضد سے یہ کہتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ ہمارے ہاتھ اور ہمارے ہاتھ اُن کے ہاتھ ان میں کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ لیکن حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو واضح کر رہے ہیں کہ فرق ان میں بہت زیادہ ہے کہ میرے ہاتھوں کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے تشبیہ نہ دینا اور اُن جیسا نہ سمجھنا۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد میں ہے کہ یہ سب کچھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادب کے پیش نظر کیا اور فوراً بولتے وقت آپ نے ہاتھ سے جب اشارہ کیا تو وضاحت ضروری سمجھی کہ یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں نبی علیہ السلام کے ہاتھ اپنے ہاتھ کو تشبیہ دے رہا ہوں' نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بہت بڑا مظہر ہے اُس ہاتھ کے ساتھ کسی ہاتھ کی کوئی برابری نہیں ہے۔

اس مقام سے صحابہ کرام کا منصب نبوت کے لحاظ سے جو عقیدہ ہے اور جو شان رسالت کے بارے میں گفتگو کا انداز ہے اُس کو سمجھنا بڑا آسان ہو گیا۔ چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس سے پتا چلے گا کہ اب ادب کا گریڈ کتنا نیچے چلا گیا ہے صحابہ کرام کا جو انداز تھا اُس انداز کو آج اُمت اپنائے گی تو پھر غیروں پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ اگر اُمت کے اندر سے ہی یہ دھواں اُٹھتا رہے جس طرح کا دھواں حفظ الایمان کتاب میں ہے یا تحذیر الناس میں ہے اور جس طرح گستاخیوں کا دھواں تقویۃ الایمان میں ہے۔ ایسی کتابوں میں جو گستاخانہ لہجے استعمال کئے گئے ہیں انہوں نے لوگوں کو جری بنا دیا ہے کہ وہ بولتے وقت سوچتے ہی نہیں کہ ہم کس کے بارے میں بول رہے ہیں۔ لوگ تو اپنے اساتذہ کے بارے میں بولتے وقت پہلے محتاط ہو جاتے ہیں کچھ لوگ شان رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں بول رہے ہیں۔

آج کا یہ موضوع صحابہ کرام کی گواہیاں اور قرآن مجید کی آیت بیان کر کے ہم اس ماحول کے گستاخانہ دھوئیں پر اَبرِ کرم کا فیضان عام کرنا چاہتے ہیں تا کہ گستاخیوں کا دھواں ختم ہو جائے اور پھر اُمتِ مسلمہ کو برکات میسر آ جائیں۔

جواب میں ادب

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ایک سوال کیا' وہ سوال ایسا تھا کہ صحابہ کرام کو اس کا جواب آتا ہے۔ آج کے لوگوں کا انداز کیا ہے وہ برابری تو کیا آگے بھی بڑھنا چاہتے ہیں کہ ان باتوں کا انہیں علم نہیں تھا ہمیں ان باتوں کا علم آ گیا ہے لیکن وہاں صورتحال یہ ہے کہ سرکار نے صحابہ سے ایک سوال کیا اُس سوال کا جواب سب کو آتا ہے مگر اُن میں سے نہ کوئی یہ بولتا ہے اور نہ ہی یہ سوچتا ہے کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کو اتنا بھی پتا نہیں (معاذ اللہ) یا کوئی یہ کہتا کہ اس کا یہ جواب ہے۔

صحابہ کرام کا ادب اتنا ہے کہ جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا تو صحابہ کرام کی طرف سے جواب یہ تھا الـلّٰہ ورسولہ اعلم اللہ زیادہ جانتا ہے اور اللہ کے نبی علیہ السلام زیادہ جانتے ہیں۔ یہاں تو ایک فتور پیدا ہو گیا کہ ایک اُمتی اُٹھ کے نبی علیہ السلام کے ہم پلہ ہونا چاہتا ہے۔ کوئی موقع ایسا آئے تو سبھی کہتے ہیں کہ دیکھو انہوں نے بھی ایسا کیا ہم بھی ایسا کر رہے ہیں بات برابر کی ہے۔ لیکن صحابہ کرام کا انداز اس بارے میں کتنا عجیب اور نرالہ ہے۔

سوال کا جواب دینے میں نہایت احتیاط

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو روایت کرتے ہیں، قال خطبنا رسول اللہ ﷺ یوم النحر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس ذی الحج کے دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا، آپ نے سب سے یہ سوال کیا: اتدرون ای یوم ھذا تمہیں اے میرے صحابہ پتا ہے کہ آج کون سا دن ہے۔ یہ بھی آج کچھ کہتے ہیں کہ سوال کرنے والا سوال تب کرتا ہے کہ جب اُسے کوئی پتا نہ ہو، تو معاذ اللہ آپ کو بھول گیا تھا کہ آج کا دن کون سا ہے۔ یہ بھی کسی کی سوچ ہو سکتی ہے لیکن وہاں پر کیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، ہم نے کہا الـلّٰہ ورسولہ اعلم اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں یعنی اس صورتحال میں بھی بڑی کشش ہے کہ جس بندے کو کچھ بھی جواب آتا ہو تو اپنا علم ظاہر کرنے کیلئے بولتا ہے کہ اللہ کے نبی سوال کر رہے ہیں اور میں جواب دے رہا ہوں۔

صحابہ کرام یہاں پر یہ لذت محسوس کر رہے ہیں کہ اگر چہ ہمیں جواب آتا ہے مگر ہمارے علم کی کیا حیثیت ہے اللہ اور اس کے نبی کے علم کے مقابلے میں۔ ہر ایک کو اس کا جواب آتا ہے کہ یہ یوم النحر ہے، قربانی کا دن ہے۔ لیکن اس انداز میں بولتا کوئی نہیں کہ وہ کہیں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ تو یوم النحر ہے۔ لیکن سارے یہی کہتے ہیں کہ الـلّٰہ ورسولہ اعلم اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرا سوال کیا اتدرون ای شھر ھذا یہ مہینہ کونسا ہے۔ اب سب کو پتا ہے کہ حج ہمیشہ ذوالحج میں ہوتا ہے، اگر کوئی بے صبرہ اُمتی ہوتا تو پتا نہیں وہ کیا کہہ جاتا لیکن یہ وہ ہیں جن میں ادب کوٹ کوٹ کر بھرا گیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سرکار کے پوچھنے میں حکمت کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔

جب سرکار علیہ السلام نے دوسرا سوال کیا تو ہم نے کہا **اللّٰه ورسوله اعلم** اللہ اور اُسکے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیسرا سوال کیا: **اتدرون ای بلد هذا** تم جانتے ہو کہ یہ شہر کون سا ہے۔

اب سب کو پتا ہے کہ یہ مکہ شریف ہے۔ اگر اُن میں ہمسری کرنے کا جذبہ ہوتا تو وہ بولتے کہ یہ فلاں شہر ہے اور اگر (معاذ اللہ) سوچ کجی ہوتی تو یہ بھی خیال آجاتا کہ شاید مجمع زیادہ دیکھ کر بھول گئے ہیں کہ شہر کون سا ہے۔

اب تو اس طرح کے نکمے اُمتی بھی آگئے ہیں جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ وہاں صحابہ کرام کا انداز ہے' جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ شہر کون سا ہے۔ تو صحابہ کرام نے کہا **اللّٰه ورسوله اعلم** اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ (بخاری شریف: باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب مبلغ اوعی من سامع ۱/۲۳۴)

تو یہ صحابہ کرام کا انداز ہے کہ جس مقام پر انہیں پتا بھی ہے جانتے بھی ہیں مگر پھر بھی عظمت کو ظاہر کرنے کیلئے جواب ایسا دیتے ہیں جس سے شان نکھر کے سامنے آجاتی ہے۔

اب یہاں دو پہلو ہیں کہ اگر صحابہ سرکار علیہ الصلوٰۃ السلام کے ساتھ برابری کرتے تو یوں کہتے کہ اے محبوب تم بھی جانتے ہو اور ہم بھی جانتے ہیں' اس سے سرکار کے مقام کو نیچے لانے کی کوشش کرتے کہ اس کا ہمیں پتا ہے تو آپ کو بھی اس کا پتا ہوگا۔ یہ ہوسکتا تھا کہ ہم بھی جانتے ہیں اور آپ بھی جانتے ہیں مگر صحابہ کرام کہتے ہیں کہ اللہ بھی جانتا ہے اور آپ بھی جانتے ہیں۔

یعنی وہ شانِ رسالت کو کھینچ کے نیچے نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ شان رسالت کا مقام بلند بیان کرنا چاہتے ہیں۔

یہ ہوسکتا تھا کہ جب جواب آتا ہے تو وہ کہہ سکتے تھے کہ ہمیں بھی اس کا پتا ہے۔ آپ کو بھی پتا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ اے محبوب اللہ کو بھی پتا ہے اور آپ کو بھی پتا ہے۔ اللہ بھی زیادہ جانتا ہے آپ بھی زیادہ جانتے ہیں، لیکن یہ انداز صحابہ کرام کی گفتگو کا ہے کہ وہ منصب نبوت کو بولتے وقت یوں بیان کرتے ہیں کہ

'یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول'

اس کو بیان کرتے وقت اپنے ساتھ نہ ملاؤ۔ ربّ ذوالجلال نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ اس کے بعد اس طرح کی صورتحال بھی پیش ہوتی رہی کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی سوال کیا گیا تو آپ خاموش ہوگئے۔

آج کا ایک انداز جو معاذ اللہ کچھ لوگوں نے پیدا کردیا ہے۔ باقاعدہ وہ تقریروں میں بیان کرتے ہیں کہ تم جس پیغمبر کے علم کے ترانے پڑھتے ہو اُن سے جب پوچھا گیا تھا تو وہ چپ ہوگئے تھے، یہ سوچ کمینی سوچ ہے اور یہ سوچ منصب نبوت کے بارے میں بے ادبی والی سوچ ہے اور ادھر صحابہ کرام کا انداز کیا ہے وہاں جو انداز ہے اللہ تعالیٰ نے وہی انداز آج بھی اہل حق کو عطا فرمایا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان مما اخاف علیکم من بعدی ما یفتح علیکم من زھرۃ الدنیا و زینتھا

مجھے اپنی اُمت پر جن باتوں کا خطرہ ہے وہ دنیا اور اُس کی زینت ہے۔ اس کے دروازے کھل جائیں گے

مجھے اُمت پر اس کا خطرہ ہے، شرک کا کوئی خطرہ نہیں۔ (بخاری شریف: باب صدقۃ علی الیتامیٰ، حدیث نمبر ۱۳۷۲)

ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی (بخاری شریف: باب الصلوٰۃ علیٰ الشھید، حدیث نمبر ۱۲۵۸)

مجھے تم پر شرک کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

مجھے دنیا کے دروازوں کے کھل جانے کا خطرہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب دنیا آجائے گی تو کہیں اُس کی چمک میں اُمت ڈوب نہ جائے تو ایک آدمی نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اویاتی الخیر بالشر کیا خیر سے بھی شر برآمد ہوسکتا ہے۔ دنیا میں رزق حلال اگر زیادہ آجائے گا تو اس کا خطرہ پھر کیا، چونکہ حرام کی تو بات ہی نہیں کی جارہی، چوری اور ڈاکے سے آنے والے مال کی بات نہیں کی جارہی کسب حلال سے رزق میں فراوانی ہوجائے گی۔

آج صفہ پہ جن کو کھانے کیلئے کچھ نہیں ملتا کل انہی لوگوں کے پاس لاکھوں ہزاروں دینار آجائیں گے اور پھر آگے اُمت میں جو مال آنے والا تھا اُس کا بیان کیا۔ صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مال تو خیر ہے کیا خیر سے بھی شر برآمد ہوسکتا ہے۔ جب صحابی نے یہ سوال کیا تو فسکت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔

خاموش ہونے پہ ایک ہے آج کے کند ذہن اُمتی کا تبصرہ اور ایک ہے صحابہ کرام کا تبصرہ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایسے رسالت کے جو مقامات ہیں اس بارے میں یہ کہتا ہوں کہ 'یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول'۔

یہاں بولتے وقت اپنے تبصرے مت جھاڑو جو سامنے بیٹھے تھے اُن سے پوچھو۔ جنہوں نے نبوت کا چمکتا چاند اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جن کے ذہن کے آنگن میں اُس چاند کی چاندنی براہ راست اُترتی رہی ہے اُن صحابہ کرام سے پوچھو کہ وہ ایسے موقع کو سمجھتے تھے تو کیا سمجھے تھے۔

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔ آج جس وقت ایسی باتیں سنتے ہیں تو دانت کھٹے ہوتے جاتے ہیں اور باتیں آتی جاتی ہیں کہ تم یہ کہتے کہ اُن کا اتنا علم ہے۔ لیکن جب اُن سے سوال ہوا تھا تو وہ چپ ہوگئے تھے۔ آج اُن لوگوں کو بولتے وقت شرم نہیں آتی۔

اب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا انداز دیکھو کہ جس وقت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہوئے تو کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے نبی علیہ السلام کا علم ہی تھوڑا سا ہے، صحابی نے سوال کیا اور نبی علیہ السلام چپ کر گئے، صحابی کو خیال تک نہیں آیا۔

جس وقت بولے ہیں تو عظمت نبی کو ظاہر کر کے بولے ہیں، چپ ہونے کو انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ آپ کو جواب دینے میں کوئی مشکل واقع ہو رہی ہے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہوئے تو صحابہ کرام نے اُس سائل کو جھاڑا۔

قیل له ما شانك تكلم النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ولا یكلمك

صحابہ نے اس آدمی سے جھگڑنا شروع کر دیا کہ تم کیسے ہو تم سے تو نبی علیہ السلام بولنا پسند ہی نہیں کر رہے لہٰذا تمہارے سوال میں کوئی کمی ہے۔تمہارے انداز میں کوئی کمی ہے۔تم بولتے ہو لیکن سرکار تم سے بولنا پسند نہیں کر رہے۔

اب اس میں صحابہ نے عظمت سرکار علیہ السلام کی ظاہر کی اور یقیناً وہ عظمت سرکار ہی کی تھی اور ہے، صحابہ کرام انداز بتا رہے تھے کہ اُمتی کا حق نہیں ہے کہ ایسے موقع پر اپنی زبان کھولے اور منصب نبوت پر تنقید کرنا شروع کر دے۔

صحابہ کرام کہتے ہیں کہ محبوب خاموش ہو گئے ہیں۔تو اے سائل! تیرا انداز ٹھیک نہیں ہے، تیرا سوال ذرست نہیں ہے، تجھ میں کوئی کمی ہے، تم سرکار سے بولتے ہو لیکن سرکار تجھ سے بولنا پسند نہیں کر رہے اور سرکار تیرے سوال کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ اس کا جواب دیا جائے۔یہ صحابہ کرام کا انداز اور اپنے طور پر یہ تبصرہ واضح کر رہا ہے کہ 'یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول'۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چپ ہو جانے پر صحابہ کرام نے سائل کو جھڑکا کہ تمہارا سوال ٹھیک نہیں تھا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو سائل کے دل سے واقف ہوتے ہیں اور سائل کی کیفیت سے واقف ہوتے ہیں، سائل کے پس منظر سے واقف ہوتے ہیں اور ہر چیز کو سامنے رکھ کر پھر جواب دیتے ہیں اور کبھی چپ کر جاتے ہیں تو اس میں بھلا سائل کا ہی ہوتا ہے اگر بولا تو سب کچھ اس کا ظاہر ہو جائے گا۔کبھی چپ کر جاتے ہیں تو قرآن کہتا ہے یعفوا عن کثیر جب سرکار نہ بولیں تو معاف کر دیتے ہیں، یہ نہیں کہ جواب نہیں آتا معاف کر دیتے ہیں، یہاں پر صحابہ کرام نے شانِ نبوت کو بالکل بے غبار سمجھا ہے اور عظمت بیان کر رہے ہیں صحابہ سمجھ رہے تھے کہ سائل کا سوال اچھا نہیں ہے۔لیکن رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر کے بعد جب سر اُٹھایا تو آپ نے پوچھا، این السائل وہ سائل کہاں ہے؟ صحابہ کرام کہنے لگے اس سے ہمیں پتا چلا کہ آپ نے سائل کے سوال کو پسند فرمایا ہے۔چونکہ آپ نے سائل کو پیار سے آواز دی ہے، جو سر جھکایا تھا وہ اس لئے جھکایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے وحی کا پیغام نازل فرما دیا تھا۔

تو صحابہ کرام کا یہ عشق ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سائل کے سوال میں کوئی کمی باقی رہ گئی ہے، آپ اس کا جواب دینا پسند نہیں کر رہے۔

تو یہ ایک اُمتی پر لازم ہے کہ ایسے مقامات جس وقت آئیں تو یقیناً اُن میں کوئی عظمت موجود ہوتی ہے۔

یہ کوئی معمولی بات تو نہیں کہ عرش سے اتنا ڈائریکٹ رابطہ ہو اِدھر سائل سوال کر رہا ہو اُدھر جبریل سدرہ سے نیچے آ رہے ہوں

یہ تو محبوب علیہ السلام کا کمال ہے اور آپ کی شان ہے۔

لہٰذا صحابہ کرام یہ طریقہ سکھا رہے ہیں کہ سیرت نبی علیہ السلام کو پڑھتے وقت اور آپ کے بارے میں بولتے وقت انداز وہ ہونا چاہئے

جو انداز اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو عطا فرمایا ہے۔

بظاہر تھوڑے کو زیادہ ماننا

اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن سے نبی علیہ السلام کی عبادت کے بارے میں پوچھا کہ محبوب رات کو کتنی عبادت کرتے ہیں یعنی یہ اُن کو شوق ہے کہ نبی علیہ السلام کی گھر کی عبادت کیا ہے اُس کا بھی ہمیں پتا ہوتا کہ ہم مزید عبادت کریں۔

حدیث کے الفاظ ہیں: فلما اخبروا کانہم تقالوھا فقالو این نحن من النبی ﷺ (بخاری باب الترغیب فی النکاح ۲/۷۵۷) جب انہیں خبر دی گئی تو ایسے لگا جیسے انہوں نے اس عبادت کو کچھ کم خیال کیا ہو پس کہنے لگے کہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کہاں ہم۔

اس کے بعد امتحان شروع ہو گیا اگر آج کا خشک اُمتی ہوتا تو جس وقت وہ بولتا تو وہ تنقید کرتا کہ یہ کیسے نبی ہیں رات کو اتنی عبادت ہی نہیں کرتے یہ کیسے ہیں ہم سمجھتے تھے کہ رات کو بڑی عبادت کرتے ہوں گے اور یہ تو کوئی زیادہ عبادت نہیں ہے۔ ایسا لفظ انہوں نے نہیں بولا جس وقت انہیں عبادت کا پتا چلا اور وہ عبادت ہے، بہت بڑی عبادت چونکہ پاؤں پہ وَرم آجاتے ہیں پاؤں سوجھ جاتے ہیں مگر صحابہ کرام کے ذہنوں پر نبی علیہ السلام کے تقوے کا جتنا اثر ہے صحابہ اپنے طور پر اور بھی سوچے ہوئے تھے لیکن جب اپنی سوچ کے مکمل مطابق انہیں جواب نہیں ملا تو اُن کے ذہنوں نے اس کا نتیجہ نکالا وہ آپس میں بیٹھ کر کہنے لگے۔

بھائیو! وہ تو اللہ کے محبوب ہیں آپ کی اتنی بھی بہت زیادہ ہے، ہمیں کچھ اپنے بارے میں سوچنا چاہئے، یہ اُن کا انداز ہے کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں، اُن کا مقام ربّ کے دربار میں بہت بڑا ہے۔

ایک آدمی بارہ گھنٹے کام کرتا ہے وہ کسی کا نوکر ہے اور دوسرا آدمی وزیر ہے اُس کے ساتھ کرسی پہ بیٹھتا ہے، گھنٹہ یا دو گھنٹے بادشاہ کے ساتھ بیٹھتا ہے اُس وزیر کا گھنٹہ یا دو گھنٹے بادشاہ کے ساتھ بیٹھ جانا اُس نوکر کے بارہ گھنٹوں سے زیادہ مقام رکھتا ہے۔

اللہ کے جو وزیر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اُن کے عمل کی ویلیو (Value) اور ہے اور عام بندے کے عمل کی ویلیو اور ہے اس کے بتانے کا مقصد یہ ہے کہ جب صحابہ کرام کے سامنے مشکل مقام آیا تو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں فوراً یہ تبصرہ کیا کہ نبی علیہ السلام کی عبادت ہے اتنی بھی بہت زیادہ ہے اور ہمیں مزید بندگی کرنی چاہئے کیونکہ ہمارا درجہ اللہ کے دربار میں وہ نہیں ہے جو ربّ نے اپنے محبوب کی اداؤں کو عطا فرمایا ہے۔

یہاں میں وضاحت کر دوں حقیقت میں وہاں قلت نہیں تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو عمل فرماتے تھے اس میں دوام ہوتا تھا صحابہ کے الفاظ ان معمولات کے لحاظ سے دوام کا تصور کئے بغیر تھے ورنہ دوسری جگہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گھر کی بندگی ایسی بیان کی گئی جن میں عقلیں حیران ہیں اور انہوں نے فرمایا:

ایکم یطیق ما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یطیق (بخاری شریف ۱/۲۶۷)

تم میں سے کس کی طاقت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جتنی ہے یعنی کسی کی نہیں۔

یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے سوچ

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطبہ میں اتنی مٹھاس تھی کہ کسی آدمی کی تقریر پر اتنے لوگوں نے کلمہ نہیں پڑھا جتنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریروں پر لوگوں نے کلمہ پڑھا ہے جو توحید کا نور پھیلا اور قیامت تک پھیل رہا ہے، یہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُس انداز کی وجہ سے ہے، یہ سرکار کی شان ہے کہ آپ بتوں کی مذمت کرنے والے ہیں اور یہ آپ کا کمال ہے کہ اُس بت پرستی کے ماحول میں آپ نے تقریریں کیں اور وہاں پر اللہ تعالیٰ کی توحید کے جھنڈے لہرائے ہیں۔

بات سچی ہے مگر یہی بات کفار نے کہی......

قرآن مجید میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتوں کے خلاف تقریریں کرتے ہیں بتوں کی مذمت کرتے ہیں، یہ بات کفار نے اپنے لہجے میں کی، لہجہ کیا تھا؟ اُن کا لہجہ استفہامیہ انداز کا تھا۔

یوں سمجھو کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی گلی سے گزر رہے تھے اور قریش کہیں اپنے ڈیرے پر بیٹھے تھے، جب سرکار گزرے دور دور تک یہ شہرہ ہو چکا تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتوں کے زبردست خلاف ہیں، کچھ لوگوں کو قریش میں سے پتا تھا اور کچھ لوگوں کو ابھی تک پتا نہیں تھا۔

جب محبوب علیہ السلام گزرے تو ایک اُن میں سے بولا، اھذا الذین یذکر الھتکم

یہ ہے وہ جو بتوں کو گالیاں دیتا ہے۔

یہ ہے وہ جو تمہارے خداؤں کے خلاف بولتا ہے۔

یہ ہے وہ جو ہمارے خداؤں کو کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے۔

اب یہ بات تو سچی ہے کہ نبی علیہ السلام بتوں کے خلاف تقریریں کرتے ہیں اور بتوں کی مذمت کرتے ہیں مگر اُن کا انداز توہین والا ہے کہ اھذا الذین یذکر الھتکم (سورۃ الانبیاء:۳۶) کیا یہ ہیں وہ ہمارے بتوں کو گالیاں دیتے ہیں۔

وہ سمجھتے تھے کہ کہاں ہمارے بتوں کی شانیں اور کہاں یہ خلاف ورزی کرنے والا، کہاں ہمارے بتوں کا مقام اور کہاں یہ انسان جو ہمارے اُن بتوں کی مخالفت کر رہا ہے، یہ کب اُن بتوں کا راستہ روک سکے گا، یہ انداز اُن کا توہین والا تھا۔

همزہ اسفہام کے بعدوالاکلام اھذا الذین یذکر الھتکم سو فیصد سچا ہے، مگر جب انداز ایسا تھا تو اللہ نے اُن کی بات کو کیا کہا کہ قریش کیا کر رہے ہیں، مشرک کیا بولتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واذا راک الذین کفروا ان یتخذونک الا ھزوا میرے محبوب جب کافر تجھے دیکھتے ہیں تو یہ تمہارا انداق اُڑا رہے ہیں۔ جب دیکھا تجھے اے محبوب کافروں نے ان یتخذونک الا ھزوا (سورۃ الانبیاء:۳۶) انہوں نے تمہارا انداق اُڑایا ہے کس چیز کو مذاق کہا وہ سچی بات جو استفہامیہ انداز میں کی گئی تھی۔

وہ سچی بات جس کا انداز صحیح نہیں تھا، وہ سچی بات جو بیان کرنے والے ہیں غلط انداز میں بیان کی ہے تو قرآن اس کو ثابت کر رہا ہے اگر سچی بات کو گستاخانہ لہجے میں بیان کیا جائے تو اللہ کا قرآن کہہ رہا ہے کہ اُس بندے نے شانِ رسالت کو بیان نہیں کیا۔ وہ سرکار کی ذات سے مذاق کر رہا ہے۔

کس چیز کو ھزواً کہا گیا یہ اھذا الذین یذکر الھتکم کا بیان ہے، نبی علیہ السلام کو دیکھ کر جس وقت کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ ہیں وہ جو بتوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور انہوں نے سرکار کو (معاذ اللہ) چھوٹا ثابت کرنا چاہا اور اپنے بتوں کو بڑا ثابت کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب یہ تمہارا انداق کر رہے ہیں۔ ان کفیناک المستھزئین (سورۃ الحجر:۹۴) مگر میرے محبوب گھبرانے کی کوئی بات نہیں میں ان سے ایک ایک بات کا حساب لینے والا ہوں۔

پتا چلا کہ شانِ رسالت اتنا نرم مقام ہے اور اتنا نازک مسئلہ ہے کہ سچی بات کو بیان کرتے ہوئے انداز گستاخانہ آجائے تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ تم اس کو خطبہ نہ کہو اس کو تقریر نہ کہو اس کو شریعت کا بیان نہ کہو، یہ مذاق ہے جو میرے محبوب علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کے بارے میں کیا جا رہا ہے۔

یہ تو پھر بھی انداز میں کجی ہے لیکن اگر دل میں برا خیال آئیگا تو بندہ تباہ و برباد ہو جائیگا یعنی اُس کے ایمان کی حیثیت جاتی رہے گی۔ کوئی حیثیت اُس کی باقی نہ رہے گی۔ شان رسالت کے متعلق حوالہ جات پیش کر رہا ہوں یہ اس وقت ایک سوغات ثابت ہوگی دُور دُور تک اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں میلی سوچ بربادی ہے

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ مسجد میں آئیں اور نبی علیہ السلام مسجد میں اعتکاف فرما رہے تھے۔ رات کا وقت تھا یعنی اندھیرا چھا چکا تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھانا دینے یا کسی کام کیلئے آئیں جس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رخصت ہونے لگیں تو مسجد کی حد کے اندر ہی اپنی اہلیہ محترمہ کو رخصت کرنے کیلئے تشریف لے گئے اور مسجد کے صحن میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کھڑے ہو گئے۔

دو انصاری صحابہ کا گزر ہوا۔ جب وہ وہاں سے گزرے تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ لیا کہ ان دونوں نے مجھے اس حال میں دیکھا ہے کہ میں ایک عورت کے پاس کھڑا ہوں تو آپ نے فرمایا، تم دونوں یہیں ٹھہر جاؤ۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہاری امی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں خود اس کی وضاحت کرنا چاہی کہ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ تو اُن دو انصاری صحابہ نے کہا سبحان اللہ! اے محبوب ہمارے لئے اس وضاحت کی ضرورت کیا تھی! ہم کیا آپ کی ذات کے بارے میں کچھ سوچ سکتے تھے، کیسے ہمارا ضمیر گوارا کر سکتا تھا کہ آپ کا کلمہ بھی پڑھیں اور آپ کے بارے میں نازیبا بھی سوچیں۔

(بخاری شریف، باب هل يخرج المعتكف لحوائجه الىٰ باب المسجد حدیث نمبر ۱۸۹۴)

سبحان اللہ اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔

یہ ہے شانِ رسالت کہ جہاں سن کے سبحان اللہ کہا جاتا ہے۔

یہ حضرت صفیہ ہیں، تو اُن دونوں نے تعجب سے کہا سبحان اللہ حضور ہمارے لئے اس وضاحت کی ضرورت نہ تھی، ہم تو آپ کو جاننے والے ہیں، ہم تو سوچ نہیں سکتے تھے کہ کوئی اور عورت ہو اور سرکار اُسکے پاس کھڑے ہوں، ہم یہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے۔

چونکہ میرے محبوب علیہ السلام کی نگاہ دیکھنے والی تھی میں تو کہتا ہوں۔

تیری نظر خار زار شب میں گلاب تحریر کر چکی تھی
اجاڑ نیندوں کے خواب میں انقلاب تحریر کر چکی تھی
میرے ذہن کے فلک پر سوال چمکے تو میں نے دیکھا
تیرے زمانے کی خاک اُن کے جواب تحریر کر چکی تھی

اس کا مطلب کیا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ٹھیک ہو مگر مجھے قیامت تک منبروں پہ بیٹھے ہوئے کچھ ملاں نظر آ رہے ہیں اور مجھے قیامت تک گلیوں کے تھڑوں پر بیٹھے ہوئے کچھ مشٹنڈے نظر آ رہے ہیں جن کو شان نبوت کے بارے میں بولتے وقت حیا نہیں آئیگی میں اس کی وضاحت اس لئے کر دینا چاہتا ہوں تا کہ اس سے وہ سبق سیکھیں۔

اس سے میرے صحابہ مجھے تم سے خطرہ نہیں ہے خطرہ اُن سے ہے جو مجھے نہیں دیکھ سکیں گے اور پھر باتیں ایسی کریں گے۔

میرے آقا علیہ السلام فرمانے لگے: ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم شیطان بڑا خبیث ہے۔

یہ وہاں جاتا جہاں خون جاتا ہے۔ انسان کے اندر اتنا شیطان سرایت کر جاتا ہے۔

مجری الدم ...... خون کی وین یعنی رگ میں اور پھر پورے بدن میں چکر لگاتا ہے اور انسان کے اندر بڑی گندگی ڈال دیتا ہے۔

تم سچے ہو مگر قیامت تک کے خطرے بھی تو سامنے ہیں، وہاں جو بے حیاء سوچ ہوگی، اُس کو بھی تو سمجھانا مقصود ہے۔

میرے صحابہ میں اس لئے بولا ہوں کہ شیطان انسان کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔

فخفت ان یقذف فی قلوبکما شیاء فتھلکا مجھے خطرہ ہے کہ یہ شیطان جو خون میں شامل ہو جاتا ہے کہیں تمہارے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔ زباں پر نہیں فی قلوبکما تمہارے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔

اگر تم میرے بارے میں دل میں سوچو گے یا قیامت تک کوئی اُمتی میرے بارے میں نازیبا سوچے گا تو پھر کیا ہوگا؟

فتھلکا پھر تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ (کشف الغمہ: ۱/۳۵۵)

میں نے اس لئے وضاحت کی کہ یہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں کہ شیطان خون میں داخل ہو جاتا ہے اور بندے کیلئے کئی خیال لا سکتا ہے۔ اگر میرے بارے میں تمہیں کوئی نازیبا خیال آ گیا تو تم دونوں ہلاک ہو جاؤ گے، تمہارا ایمان سلامت نہیں رہے گا اور قیامت تک کے لوگوں کو سمجھانا مقصود تھا۔

صحابہ کرام تو سہارا ہیں اور وہ پل کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے شریعت ہماری طرف گزر کے آ رہی ہے۔ اس واسطے خطاب اُن کو کیا اُن کے دماغ بڑے پاک ہیں اُن سے ہو کر بات ہم تک پہنچنے والی تھی اس واسطے فرمادیا کہ اگر شیطان کی وجہ سے ایسا خیال آ گیا تو پھر اس کا انتظار نہیں ہوگا کہ تم زبان سے بولتے ہو یا نہیں بولتے۔

جونہی دل میں خیال آتا جائے گا، ہلاکت آتی جائے گی، ایمان لٹ جائے گا، عقیدہ مٹ جائے گا، عظمت ختم ہو جائے گی۔

’یہ شانِ رسالت ہے ذرا ہوش سے بول‘

اس سے آگے بھی شان رسالت یہ ہے کہ

’یہ شانِ رسالت ہے ذرا ہوش سے سوچ‘

یہاں تصور کرتے وقت بھی پہلے اپنے دماغ کو وضو کرانا پڑیگا، اپنے خیال کو اعتکاف کروانا پڑیگا، اپنے تصور کو احرام باندھوانا پڑیگا اور اپنی سوچ کو تقدس کا غسل دے کرائے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار کی طرف سے جانا پڑے گا کیونکہ یہاں پر اگر کچھ بھی نازیبا خیال آگیا تو اسی سے تم ہلاک ہو جاؤ گے یعنی ہلاکت ایمانی ہو جائے گی۔

اس سے پتا چلا کہ شانِ رسالت کا معاملہ بڑا ہی نرم ہے، بڑا ہی نازک ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی سوچ پر بھی پابندی لگانے کیلئے صحابہ کے سامنے وضاحت فرمادی کہ یہ موقع ایسا بن گیا ہے کہ سوچ انسان کو آسکتی ہے۔ میں فوراً بولا ہوں کہ میں چپ رہوں اور ادھر سوچ آجائے اور پھر تمہارے ایمان کا خاتمہ ہو جائے اور بعد میں بولوں۔ نہیں' میں فوراً بولتا ہوں تاکہ ایسی نوبت ہی نہ آئے۔

کیونکہ میرے بارے میں اتنا سا نازیبا خیال کہیں آجائے گا تو پھر وہاں ایمان نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔

شانِ رسالت کا یہ بڑا اہم اور بڑا عظیم مسئلہ ہے اور یہ ایک سوغات ہے اور جس وقت آج ماحول میں بے ادبی کے دھوئیں اُٹھ رہے ہیں۔ اپنے ماحول کی صفائی ضروری ہے تاکہ غیروں کو پتا چلے کہ کتنا خوبصورت تصور ہوتا ہے جب یہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سوچ رہے ہوتے ہیں۔

کچھ لوگوں نے کچھ الفاظ کو آڑ بنالیا اور اُس آڑ میں گستاخیاں کرتے ہیں۔

لَھُو کا معنی کرنے میں ہوش

مثال...... رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توبہ و استغفار کرنا اس کو کچھ لوگوں نے آڑ بنالیا کہ جس وقت سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ کہتے ہیں کہ میں مغفرت چاہتا ہوں تو پہلے (معاذ اللہ) کوئی گناہ کیا ہوگا پھر ہی مغفرت چاہ رہے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہم صحابی نے نقش و نگار والی نئی چادر پیش کی تھی جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ چادر اپنے اوپر اوڑھی اور نماز ادا کی جس وقت نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا: اذهبوا بقميصي هذه الیٰ ابی جهم واتونی بانبجانية یہ چادر ابوجہم کو واپس کر دو اور میری چادر جو انبجانیہ ہے یعنی سادہ چادر جس پر نقش و نگار بنے ہوئے نہیں ہیں وہ لے آؤ۔

آپ نے ارشاد فرمایا: انها الهتنی انفا عن صلاتی اس نقش و نگار والی چادر نے ابھی میری توجہ نماز سے ہٹائی ہے۔ اس واسطے میں یہ چادر نہیں اوڑھوں گا۔ یہ چادر ابوجہم کو واپس دے دو اور اُن سے میری سادہ چادر لے آؤ۔

(بخاری شریف باب اذا صلی فی ثوب له اعلام و نظر الی علمها حدیث نمبر ۳۶۰، ج ۱ ص ۵۴)

یہ چادر انہیں کی تھی تو آپ نے فرمایا کہ انہیں کو ہی چادر واپس کر دو، یا اس طرح کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ریشم کا جبہ دیا تھا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ریشم تو پہننا حرام ہے آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا پہننا حرام ہے لیکن اس کا بیچنا تو حرام نہیں ہے۔ تم یہ کپڑا آگے بیچ سکتے ہو، تو ایسی ہی صورتحال یہاں بھی تھی۔ یعنی اس سے یہ مقصد نہیں تھا کہ ابوجہم یہی چادر پہن کر نماز پڑھیں یا تو اُنہیں کی طرف سے تحفہ تھا انہیں واپس کر دیں یا پھر ویسے دی ہے کہ وہ بیچ سکتے ہیں۔

بہرحال سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا میں تو اپنی سادہ چادر پہنوں گا، کیوں؟ اس لئے کہ اس نے نماز میں خلل پیدا کیا ہے۔

یہاں پر ایک عام سی سوچ کہ نماز پڑھتے پڑھتے چادر کے نقش و نگار پر درمیان میں رُکاوٹ آگئی ہم تو ایسی چادروں میں پڑھ لیتے ہیں کچھ بھی نہیں ہوتا، اب تو مسجد میں بھی نقش و نگار ہوتا ہے اور مصلّے پر بھی نقش و نگار ہوتا ہے' ایک سوچ کا یہ انداز ہے۔

اس سے پتا چلا کہ معاذ اللہ ہماری روحانیت تیز ہے۔ ہم تو نقش و نگار والی ایسی چیزوں میں پڑھ لیتے ہیں ہمیں تو کچھ نہیں ہوتا اور نبی علیہ السلام نے نقش و نگار والی چادر اُتار دی۔

الهتنی اس چادر نے میری نماز میں خلل ڈالا ہے......ان الفاظ کو آڑ بنا کے پھر لوگ نیا بھڑاس نکالنا شروع کر دیتے ہیں کہ وہ ہم جیسے ہیں اور ہم اُن جیسے ہیں، وہ بھی بھول جاتے ہیں اور ہم بھی بھول جاتے ہیں، اُن کی توجہ بھی بٹ جاتی ہے ہماری توجہ بھی بٹ جاتی ہے۔ہم میں اور اُن میں فرق کیا ہے۔بس اتنا فرق ہے کہ اُن پر وحی اُترتی ہے ہم پر وحی نہیں اترتی۔

اب الهتنی والا انداز سمجھنے کی ضرورت ہے۔ایک ہے طے شدہ حقیقتیں اور ایک ہے درمیان میں وضاحت کی چیزیں۔

حضرت امام نور الحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمانے لگے اس کی شرح کرتے ہوئے:

وآنکہ حال آنسرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالی تر از آنست

کہ چیزی او را حضوری کہ در نماز داشت باز داشتہ باشد

ہمارے محبوب علیہ السلام کا مقام اس سے کروڑ درجہ اوپر ہے کہ کوئی چیز آپ کو اللہ کے دربار سے پیچھے ہٹا سکے۔ چادر تو کیا اگر ہزار بندہ آ کر درمیان میں حجاب بننا چاہئے اور سرکار کو جو اللہ کے دربار میں حضوری حاصل ہے ہزار بندہ خلل نہیں ڈال سکتا چادر خلل کہاں ڈال سکتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو مرتبہ ہے اُس کے لحاظ سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس حضوری میں خلل ڈال سکے پھر کہنے لگے کہ اس حدیث کی شرح یوں کی جا سکتی ہے کہ حضور حق را مراتب و درجات غیر متناہی است اللہ کے حضور میں حاضر ہونے کے درجات اور مراتب غیر متناہی ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ ایک ہزار ہیں یا ایک لاکھ ہیں ایک کروڑ سے بھی زیادہ ہیں۔حضور کے درجات غیر متناہی ہیں۔حضرت شیخ نور الحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے دربار کی حضوری کے درجات اربوں ہیں۔

وآن مرتبہ کہ خاصہ آن حضرت بود اگر از آں جا تنزل نماید

اور ہمارے محبوب علیہ السلام کی حضوری کا جو درجہ ہے۔اگر سرکار اُس درجے سے نیچے بھی کچھ آ جائیں

یعنی حقیقی درجے سے سرکار کچھ نیچے آ جائیں۔

ہنوز در جائی خواہد بود کہ مقربان دیگر بصد جہد وفناء عمرہای دراز آنجا رسیدہ باشند (تیسیر القاری: ۱/۱۴۶)

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اللہ کے قرب میں درجات ہیں وہ غیر متناہی ہیں۔اگر اُس چادر کی وجہ سے سرکار کا تنزل ہوا ہو تو پھر بھی اُس مقام پر اللہ کے قرب میں ہیں کہ بڑے بڑے صالحین ساری عمریں صَرف کر کے حضوری کے اُس درجے تک نہیں پہنچ سکتے جس درجے پر سرکار نقش و نگار والی چادر پہن کر موجود ہیں۔

عام لوگوں کی حیثیت عام جیسی ہے۔

مثال کے طور پر ایک ارب درجے ہوں تو ہم جیسوں کو ان میں سے ایک درجہ حاصل ہے اور ہمارے محبوب علیہ السلام کو حضوری کے اربوں درجے حاصل ہیں اور سرکار یہ چاہتے ہیں کہ رب کے دربار میں اُن اربوں درجوں میں سے اگر کسی وجہ سے ایک درجہ بھی کم ہو تو یہ مجھے منظور نہیں ہے۔ اگرچہ کم ہو جانے کے بعد بھی حالت ایسی ہے کہ ساری دنیا کے درجات اِکٹھے کر لئے جائیں پھر بھی سرکار کے حضوری والے درجے تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ اس حدیث کی حقیقت ہے جس کو حضرت امام نور الحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر صالحین نے بیان کیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیثیت کو سمجھنا ہے تو اس کی مثال یوں سمجھ لو۔ ایک ہے عینک کا شیشہ اور ایک ہے دروازے کا شیشہ دروازے کے شیشے کے داغ کی اور حیثیت ہے، عینک کے شیشے کے داغ کی اور حیثیت ہے۔ یہاں چھوٹا بھی بڑا لگتا ہے وہاں بڑے نشان پر بھی گزارا ہو جاتا ہے۔

ہم جیسے وہ شیشہ رکھتے جو شیشہ ہے کسی شوکیس کا جو شیشہ ہے کسی دروازے کا اور نبی علیہ السلام کے تقوے کا وہ شیشہ ہے جو آنکھ کے شیشے سے بھی کروڑ درجہ لطیف ہے لہٰذا وہاں پر معمولی سے نقش و نگار کو بھی اپنی شایان نہیں سمجھتے اُس کو دور کرنا چاہتے ہیں۔

دوسری طرف ہم ہیں، ہمارا رب کے دربار میں حضوری کا کوئی مقام ہی نہیں ہے اس کے باوجود نقش و نگار میں لگے ہوئے ہماری حیثیت اور طرح کی ہے اور سرکار کا قرب اور طرح کا ہے۔

اب جس وقت سوچا اور غور و فکر تدبر و تفکر کیا تو الھتنی سے سرکار کی فضیلت کا پتا چلا، سرکار کی عظمت کا پتا چلا۔

اب لفظ یہی ہیں لیکن اس کو دوسرا طبقہ (معاذ اللہ) سرکار کو عام سا انسان سمجھنے کیلئے واضح کر رہا ہے۔ لیکن حق والوں نے پڑھا تو پتا چلا کہ یہاں تو خاص الخاص مقام کی بات ہو رہی ہے۔

استغفار کا معنی کرنے میں ہوش

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم توبہ واستغفار کی اہمیت کو بیان کر رہے تھے کہ توبہ واستغفار کرنی چاہئے تو آپ نے لفظ کیا ارشاد فرمائے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمانے لگے:

انه لیغان علیٰ قلبی

میرے دل پہ پردے پڑ جاتے ہیں۔

وانی لاستغفر اللہ فی الیوم ماۃ مرۃ

میں دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔

(مسلم شریف باب الاستحباب الاستغفار والاستکثار منه، حدیث نمبر ۴۸۷۰)

ایک انداز اس کو ظاہری طور پر سمجھنے کا ہے۔

جنہوں نے بخاری شریف کا ترجمہ بغل میں رکھا ہوا ہے اور دین کی دانش کی نمائندگی کرنا چاہتے ہیں، لوگوں سے کہیں گے لوگو دیکھو اس نبی کو سو مرتبہ دن میں استغفار کی ضرورت پڑ جاتی ہے (معاذ اللہ) پھر کہتے ہیں کہ کوئی گناہ تھا تب ہی مغفرت کر رہے ہیں (معاذ اللہ) ورنہ استغفر اللہ کیسے کہتے۔ یہ اس لئے ہے کہ دل پہ گناہوں کے پردے پڑ گئے ہیں۔ (معاذ اللہ)

یہ سوچ گستاخانہ ہے۔ جو ایسے سہارا بنا کر اپنے مطلب اور دھندے کو پورا کرنا چاہتے ہیں، لیکن جس وقت صحابہ کرام سے پوچھو گے، تابعین سے پوچھو گے، تبع تابعین سے پوچھو گے۔ نہیں تو پنجاب کے داتا صاحب سے پوچھو گے تو پتا چلے گا یہاں تو سرکار کی عظمت کا اظہار ہو رہا ہے۔

آجکل کالجوں یونیورسٹیوں میں ڈیڑھ ڈیڑھ آنے کے بعض پروفیسر ایسی باتیں اٹھائے پھرتے ہیں۔ اُن کو پتا ہی نہیں کہ منصبِ نبوت ہے کیا اور ہم بول کس کے بارے میں رہے ہیں۔ یہ تقریریں اور لیکچر ہو رہے ہیں کہ دیکھو دن میں سو بار توبہ کرتے تھے توبہ سے پہلے گناہ کا ہونا ضروری ہے۔ تو معاذ اللہ دن میں کئی بار گناہ ہو جاتے ہیں۔ پھر توبہ کرتے تھے۔ یہ تقریریں سکولوں اور کالجوں میں کی جارہی ہیں، کچھ ہوس پرست پروفیسر و استاذ جو مختلف باطل پرستوں کے ایجنٹ ہیں اور ہماری ملت کے بیٹوں کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔

سنو! اگر تم نے حدیث سمجھنی ہے تو داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ کی دہلیز پہ جانا پڑے گا، داتا صاحب بیان کریں گے

"یہ شانِ رسالت ہے ذرا ہوش سے بول"

تھڑے پہ بیٹھے ہوئے فیکٹری میں بیٹھے ہوئے دکان میں بیٹھے ہوئے ایک عام انسان کو داتا صاحب علیہ الرحمۃ سمجھا رہے ہیں کہ یہ شان رسالت ہے کسی چھوٹے بندے کی بات نہیں ہے۔ یہاں پر جس جہت سے دیکھو گے تو عظمت کا ایک نیا جہان نظر آئے گا۔

کشف المحجوب میں داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، توبہ کی اقسام...... توبہ بر سہ گونہ باشد...... توبہ کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم یکی از خطا با صواب...... ایک توبہ ہے کہ غلطی سے توبہ کر کے صحیح کام کرنا یعنی خطا کو چھوڑنے کی توبہ کرنا۔

دوسری قسم...... یکے از صواب باصواب...... دوسری توبہ ہے کہ دُرست کو چھوڑ کے درست کرنا یعنی ایک درست کو چھوڑا ہے تو دوسرا درست شروع کر دیا ہے۔

پہلی قسم یہ تھی کہ غلطی چھوڑ کر درست کام شروع کر دیا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ درست کو ہی چھوڑ کر درست کام شروع کر دیا۔

تیسری قسم کون سی ہے...... از خودی خود بحق تعالیٰ...... اپنے خیال سے توبہ کر کے ربّ کے خیال میں ڈوب جانا یعنی اپنی خودی سے توبہ کر کے، اپنے آپ سے توبہ کر کے، اپنے خیال سے توبہ کر کے، اپنی ذات کی فکر سے توبہ کر کے اپنے ربّ کے جلووں میں مست ہو جانا۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان تین قسموں پر دلیل دی ہے' قرآن سے بھی اور حدیث سے بھی۔

یہ صوفی ہوتا ہے جو اتنے بڑے علم کا خزانہ ہوتا ہے۔ اتنا بڑا قرآن و سنت کا ماہر ہوتا ہے، اتنا بڑا مفکر اور محدث ہوتا ہے کہ وہ جو لفظ زمانے میں حجاب اکبر بن رہے ہوں اُن الفاظ سے حجاب کو دُور کر کے علم کا صحیح چہرہ دکھاتے ہیں۔

اب جو کہہ رہے تھے کہ کوئی گناہ ہے تو پھر توبہ کی ہے۔ وہاں علم پردہ بن گیا اور حجاب بن گیا۔

یہ داتا صاحب علیہ الرحمۃ کی روحانیت ہے کہ علم والے حجاب کو دور کر کے حقیقی علم کا چراغاں کرنے والے ہیں۔

توبہ کی پہلی قسم: از خطا با صواب...... خطا سے توبہ کر کے صواب کی طرف آنا۔

﴾مثال﴿

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکرو اللہ فاستغفروا لذنوبھم (سورۃ آل عمران:۱۳۵)

وہ لوگ جو کوئی فحش کام کر بیٹھیں یا اپنے اوپر ظلم کر بیٹھیں تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔

اب یہاں پر توبہ کس بارے میں استعمال ہوا کہ غلطی کو چھوڑنا اور دُرست کام کرنا۔

توبہ کی دوسری قسم: از صواب با صواب...... صواب سے صواب کی طرف توبہ کرنا۔

﴾مثال﴿

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہ تشریف لے گئے تھے۔ جب اَرِنِیْ کہا تو جواب لَنْ تَرَانِیْ کی صورت میں ملا۔
ایک جلوہ اللہ نے طور پہ گرایا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر زمین پہ گر پڑے تھے۔ قرآن کہتا ہے کہ جس وقت انہیں ہوش آیا تو کیا بولے۔ تُبْتُ اِلَیْکَ اے اللہ میں نے توبہ کی۔ (سورۃ الاعراف:۱۴۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توبہ کا جو لفظ بولا' داتا صاحب فرماتے ہیں...... از صواب باصواب۔ یہ وہ غلطی سے توبہ نہیں تھی یہ ایک درست کام سے توبہ تھی۔ درست سے درست کی طرف توبہ تھی۔ اس کا کیا مطلب بنا' داتا صاحب فرمانے لگے:

ہمہ عالم اندر حسرت رُؤیت خداوند اند ساری دنیا اللہ کے جلوؤں کو ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔

موسیٰ از آں توبہ کرد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام توبہ کر گئے کہ میں اب اَرِنِیْ نہیں کہوں گا۔ اے اللہ مجھے دیدار عطا کر دے اب میں یہ نہیں کہونگا۔ جس کو سارا جہان ڈھونڈھتا ہے اس بات سے توبہ کر رہے ہیں وہ غلطی نہیں تھی لیکن اُس کو چھوڑا کیوں ہے۔

چھوڑا اسلئے ہے کہ اے اللہ مجھے پتا چل گیا کہ دوستی میں اپنا اختیار برتنا جائز نہیں ہے۔ جب تو نے مجھے اپنا بنایا ہے تو مجھے چاہئے تھا باقی ہر کام جب میں نے تیری مرضی پہ چھوڑا ہے تو دیدار والا کام بھی تیری مرضی پہ چھوڑ دوں۔

"مرضی ہے دیدار کرا، مرضی ہے تو دیدار نہ کرا"

تو جو پہلی حالت تھی کہ میں نے دیدار مانگا تھا اُس سے تائب ہو گیا ہوں۔ اب کبھی بھی دیدار نہیں مانگوں گا یہ تیری مرضی ہے کہ تو کب اپنا دیدار کرائیگا۔ قرآن میں تُبْتُ کا لفظ تو آ گیا مگر وہ غلطی سے توبہ نہیں بلکہ درست سے توبہ ہے، ایک درست کام سے دوسرے درست کام کی طرف جانے کا نام توبہ ہے۔ داتا صاحب فرماتے ہیں کہ دیکھو گناہ کوئی نہیں لیکن توبہ کا لفظ موجود ہے۔

توبہ کی تیسری قسم :ازخودی خود بحق......اپنے آپ سے توبہ کر کے ربّ کے دیدار میں ڈوبتے رہنا۔ یہ تیسری توبہ ہے اس کا مرتبہ دوسری قسم سے بھی بڑا ہے۔ تو مطلب یہ بنے گا اِنَّہ لَیغَانُ علیٰ قَلْبِی میرے ربّ اُمت کی بھی سوچتا ہوں، اُس وقت تیری طرف خیال نہیں ہوتا، اُمت کی سوچ تیرے حکم سے ہے مگر ہے تو مخلوق کی سوچ۔ اُمتی کی بہتری کیلئے سوچتا ہوں، اُمت کے مسائل سنتا ہوں اُن کو جواب دیتا ہوں، اُمت کے مستقبل کیلئے پلاننگ کرتا ہوں امت کی قیامت تک کی مشکلیں حل کرنے کیلئے سوچتا ہوں تو یہ وہ پردہ ہے جس سے خیال اُمت کی طرف چلا جاتا ہے۔

وَاِنّی لاستغفر اللّٰہ فی الیوم ماۃ مرۃ

تو میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں کہ جب اپنے خیال میں اور امت کے خیال میں ہوتا ہوں پھر اس کو ترک کر کے اللہ کے خیال میں چلا جاتا ہوں۔

پہلے نہ کوئی صغیرہ گناہ ہے نہ کبیرہ گناہ ہے نہ کوئی بھول ہے نہ کوئی چھوٹی موٹی خطا ہے پہلے بھی بڑا مرتبہ تھا جو ربّ نے اُمت کی فکر عطا فرمائی ہے پھر اس کو سو بار چھوڑ کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں سو بار داخل ہو جاتا ہوں۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درس کی وضاحت کرتے ہوئے خوبصورت انداز میں کہتے ہیں: محال باشد کہ خواص از معصیت توبہ کنند یہ محال ہے کہ اللہ کے خاص بندے گناہ سے توبہ کر رہے ہوں وہاں گناہ نہیں ہے وہاں ایک صواب سے دوسرے صواب کی طرف یا اپنی خودی سے حق کی طرف لوٹنا یہ توبہ ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ جملہ بڑا ہی قابل غور ہے۔

چنانکہ مقامات مصطفےٰ علیہ السلام ہر بر ترقی بود

یہ سنو! بلا وجہ نہیں دنیا 'داتا داتا' کے نعرے لگاتی، وہ جنہوں نے خاک پنجاب میں سجدوں کے بیج بوئے تھے اور آج یہ گلشن میں بہار آئی ہے، اُس داتا صاحب کی تعلیمات قرآن وسنت کو سمجھنے کیلئے کتنی ضروری ہیں۔

یہ جو حدیث میں سو بار توبہ کا یا ستر بار توبہ کا لفظ آ گیا کہ میں استغفار کرتا ہوں۔ تو فرمانے لگے ظالمو! یہ نہ سمجھنا کہ کوئی کبیرہ یا کوئی صغیرہ گناہ یا کوئی چھوٹا گناہ تھا یا کوئی بڑا گناہ تھا۔

فرمانے لگے توبہ گناہوں سے نہیں کی جارہی' توبہ اُمت کے خیال سے فارغ ہو کر اللہ کے دربار کی طرف متوجہ ہونے کو کہا جا رہا ہے پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: چنانکہ مقامات مصطفےٰ علیہ السلام ہر بر ترقی بود کہ ہمارے نبی علیہ السلام کے مقامات ہر وقت ترقی کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر ﷺ جس وقت آپ نے اعلانِ نبوت کیا تو اس وقت اربوں مقامات مل چکے تھے۔ اگلے منٹ میں اللہ نے ایک اور مقام دیا اُس سے اگلے منٹ میں اللہ نے اور مقام دیا۔ یہ ہمارے نبی علیہ السلام کی شان ہے کہ ہر منٹ میں مقام بڑھایا جا رہا ہے۔

چوں بر مقام برتر قی رسید جب مزید اونچے مقام پر چلے جاتے۔

ضرور تی استغفاری کند از مقام ضرور تر استغفائی کرد جب اونچے درجے پر پہنچے تو پہلے درجے سے استغفار کرنے لگے۔

جو پہلے مقام تھا اُس سے استغفار کرنے لگے۔

توبہ بجانیاور یہ توبہ کا انداز ہے۔

کوئی بندہ اس حدیث کو آڑ بنا کے کہیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذمے گناہ نہ تھوپتا پھرے اور اُن کی طرف گناہوں کو منسوب نہ کرے وہاں گناہ نام کی کوئی چیز نہیں، جہاں کلیم کا مقام ہے گناہ تو وہاں ہی ختم ہو گئے تھے وہاں بھی صواب سے صواب کی طرف توبہ ہے۔ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اگلا مقام ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ بلند مقام دیتا ہے اور مزید بلند درجے پہ پہنچ جاتے ہیں، اپنے چھوٹے درجے سے توبہ کرتے ہوئے بڑے درجے کا سفر شروع فرما دیتے ہیں۔

بے ہوش کا مواخذہ

جس وقت ایک انسان شانِ رسالت کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے تو اُسے کیا ملتا ہے اور اگر نہیں رکھتا تو اُس کا بگڑتا کیا ہے اُسے کیا ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان کی عیادت کیلیے تشریف لے گئے۔ اُس کا نام قیس بن ابی خازم تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز یہ تھا کہ آپ جس بیمار کے پاس بھی جاتے تو فرماتے: لَا بَأسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ کوئی حرج نہیں اس سے تو گناہ جھڑ جائیں گے۔ جس بیمار کی بھی عیادت کرتے تو یہ جملہ بولتے تھے۔ طہور کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیماری تمہارے گناہ جھاڑنے آئی ہے۔ اس سے بیمار کو حوصلہ مل جاتا اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لفظوں میں تاثیر بڑی تھی بندہ صحیح ہو جاتا۔

لَا بَأسَ کوئی حرج نہیں، کوئی پرابلم نہیں، مسئلہ ہی کوئی نہیں۔

طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تعالیٰ اس سے سارے گناہ جھڑ جائیں گے۔

ایک بدو قیس بن ابی خازم کو جب آپ نے جا کر یہ فرمایا۔ تو وہ عجیب آدمی تھا اسے پتا نہیں تھا کہ شانِ رسالت کے بارے میں کیسے بولنا ہے۔ آگے سے وہ بدو بول پڑا: هِیَ حُمّٰی تَفُوْرُ علی شیخ کَبِیر یہ تو بخار ہے جو جوش مار رہا ہے۔ بوڑھا مرنے کو تیار ہے تم کہتے ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

میں مر رہا ہوں بخار جوش پر ہے اور آپ فرماتے ہیں لَا بَأسَ کچھ بھی نہیں ہوگا۔

جب وہ یوں بولا تو میرے آقا علیہ السلام آگے سے بول پڑے فَنَعَمْ اِذا ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو پھر ایسا ہی ہے۔ پھر کیا ہوا دوسرے دن اسی بخار سے وہ مر گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو فرما دیا تھا اگر وہ قبول کر لیتا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر آپ نے کہا ہے لَا بَأسَ کوئی بات نہیں' ٹھیک ہے سرکار آپ نے فرما دیا۔

لیکن وہ بخار سے تنگ تھا کہنے لگا بوڑھے کو قبر نظر آ رہی ہے' تم کہتے ہو کوئی حرج ہی نہیں ہے۔ نَعَمْ اِذا اگر تو ایسے کہتا ہے تو پھر ایسے ہی سہی۔ شانِ رسالت کا جو تقاضا تھا وہ پیش نظر نہ رکھا گیا۔ تو اس کی فوراً گرفت ہوگئی۔

دوسری طرف یہ بھی ہے کہ ایک نصرانی نے کلمہ پڑھا، جس وقت اُس نے کلمہ پڑھا تو نبی علیہ السلام نے اُسے بڑا نوازا اور کاتبِ وحی بنادیا' اُس نے سورۂ آلِ عمران بھی لکھی اور سورۂ بقرہ بھی لکھی۔

مگر کچھ لوگوں کو ہیضہ ہو جاتا ہے' کہنے لگا: مَا یَدْرِیْ مُحَمَّدٌ اِلَّا مَا کَتَبْتُ لَہٗ' جو میں لکھتا ہوں اس نبی کو وہی آتا ہے۔

اُسے یہ پتا نہیں کہ تمہیں لکھنے کا مقام کس نے دیا ہے اور لکھواتا کون ہے..... کہتا ہے جو میں لکھتا ہوں وہی یہ جانتے ہیں۔

وہ عیسائی ہو کر مر گیا۔ عیسائیوں نے اُس کو دفن کیا۔

لَفَظَتْہُ الْاَرْضُ زمین نے اُگل کر باہر پھینک دیا۔

صبح جب عیسائیوں نے دیکھا تو وہ باہر تھا۔

ھٰذَا فَعَلُ مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِہٖ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اُن کے صحابہ نے باہر نکالا۔

(بخاری شریف باب علامات النبوۃ، حدیث نمبر ۳۳۴۸،۵۱۱/۱)

یہ اُن کو چھوڑ کر آیا ہے لہٰذا انہوں نے اس قبر سے باہر نکال دیا ہے حالانکہ سرکار کے صحابہ نے ایسا نہیں کیا تھا۔

انہوں نے قبر کو مزید گہرا کیا شام کو دفن کر کے چلے گئے صبح آئے تو پھر وہ باہر پڑا تھا۔ پھر انہوں نے کہا کہ یہ نبی علیہ السلام کے صحابہ ہیں جو یہ حرکت کر رہے ہیں تیسری بار بہت گہری قبر کھودی اور اُس کو دفن کر کے چلے گئے صبح کے وقت آئے تو دیکھا وہ باہر پڑا تھا۔

اُن کو یقین ہو گیا کہ یہ مردود گندہ اتنا ہے کہ زمین اس کو پسند نہیں کرتی۔ وہ بڑے بڑے مجرموں کو قبول کر لیتی ہے۔ مگر اس نے جو بکواس کی تھی کہ جو میں لکھتا ہوں وہی نبی کو آتا ہے ان کو اپنے طور پر کچھ نہیں آتا۔

اس گستاخ کے اس جملے کی وجہ سے اور تو اور رہا اب زمین نے بھی اُس کو جگہ نہ دی زمین بھی اُس کو اُگلتی اور پھینکتی رہی کہ اس کو بولتے وقت یہ ہوش نہیں آیا کہ یہ شانِ رسالت ہے میں کس کے بارے میں بول رہا ہوں۔

آج بھی ایسے واقعات ہو رہے ہیں، اللہ کی طرف سے یہ بتا دیا گیا کہ جو مقام میں نے محبوب کو دیا ہے اُن کے بارے میں بولو تو ہزار بار سوچ کو غسل دو پھر اُن کے بارے میں بات کرو۔

ہوشمندوں کا انعام

اگر ادب سے بولیں گے تو کیا ملے گا۔

ایک چیونٹی کو چیونٹیوں کی امامت ملی۔ اُس کا کام کیا تھا۔ اُس کو یہ شان کیسے ملی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا تھا تو ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہنے لگی یا ایہا النمل ادخلوا مسکنکم اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔ لا یحطمنکم سلیمٰن وجنودہ وھم لا یشعرون (سورۃ النمل:۱۸) کہیں ایسا نہ ہو کہ عدم توجہ کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام اور اُن کے لشکر کے نیچے تم روندی جاؤ اس واسطے اپنی اپنی بلوں میں داخل ہو جاؤ۔

امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس چیونٹی کو دیگر چیونٹیوں کی ملکہ بنا دیا۔ اُس کو یہ مقام کیسے ملا؟ کہتے ہیں کہ اُس چیونٹی نے ادبِ نبوت ظاہر کیا تھا۔ کیوں؟ اس نے عصمت پیغمبر کا عقیدہ بیان کیا۔

وھم لا یشعرون کہنے لگی چیونٹیوں ویسے نہیں ہو سکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جانتے ہوئے تم پہ قدم رکھیں ایسا نہیں ہو گا ہاں بے خبری میں قافلہ ہے اور لشکر ہے ہو سکتا ہے کہ آپ کی اس طرف توجہ نہ ہو۔ تو تم اُن کے قدموں کے نیچے آ جاؤ۔

اپنی سوچ کا اُس چیونٹی نے اظہار کیا کہ اللہ کا نبی گنہگار نہیں ہوتا اور اللہ کا نبی ظالم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کی ستھری سوچ کو دیکھ کر اُس کو چیونٹیوں کی سردار بنا دیا۔

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور جادوگروں کا آپس میں مقابلہ ہو رہا تھا مگر جادوگروں کو کلمہ نصیب ہوگیا' وہ کلمہ پڑھ گئے اس کا سبب کیا بنا۔

یہاں پر امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر میں صوفیا کا قول لکھا اس کا سبب یہ بنا تھا کہ جس وقت آپس میں آمنے سامنے آئے تو جادوگروں سے ایک نیکی ہوگئی۔ نبی کا ادب ہوگیا۔ اللہ کے نبی کا تھوڑا سا ادب کر بیٹھے اُس ادب نے اُن کا بیڑا پار کر دیا۔ حالانکہ وہ بڑے بدبخت اور مجرم تھے۔ اللہ کے دشمن فرعون کے مہمان تھے۔ اُس کو حق ثابت کرنا چاہتے تھے مگر بولتے وقت شانِ نبوت کا تھوڑا سا لحاظ کیا۔ کچھ ادب کر بیٹھے اللہ نے اُن کو کلمہ کی توفیق عطا فرما دی۔

انہوں نے کہا تھا:

یا موسیٰ اما ان تلقی واما ان نکون نحن الملقین (سورۃ الاعراف:۱۱۵)

اے کلیم! مرضی تمہاری ہے یا تو آپ پھینکیں یا ہم پھینکتے ہیں۔

اس میں اللہ کے نبی کا ذکر پہلے کیا۔ اے کلیم! یا آپ اپنا عصا پہلے پھینکیں یا ہم رسیاں پھینکتے ہیں۔

اُن سے اللہ کے نبی کا ادب ہوگیا۔ امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی کا نام جو انہوں نے پہلے ذکر کیا تھا اور یہ کہا کہ پہلی بار چاہو تم لے لو یا ہمیں دے دو۔ چونکہ اُنہوں نے پیشکش کر دی تھی اللہ کے نبی کو مقدم کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں کا کفر نکال کر اُن کو ایمان عطا فرما دیا۔ نبوت کے لحاظ سے یہ آداب ہیں۔

جو شخص ان رستوں پہ چلتا ہے۔ اُس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں، جو اکڑتا ہے تو اُس کیلئے ہر لمحہ نامرادیاں ہوتی ہیں۔

اس گفتگو کے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم میں سے ہر بندہ اس کا مبلغ ہونا چاہئے، یہ پیغام ہے جس کو تم آگے پہنچاؤ۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو شانِ رسالت ہر وقت پیشِ نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ